OPEN ACCESS
Journal of Semitic Religions
ISSN (Print): 2958-7514
ISSN (Online): 2958-7522
https://jsrpk.com/index.php/Journal

اصلاح معاشرہ کے قرآنی اصول اور ان کی عصری تطبیقات:
سورۃ النحل آیت نمبر ۹۰ کی روشنی میں ایک تجزیاتی مطالعہ

Qur'anic Principles for Reformation of the Society and Their Current Applications:
An Analytical Study in the Context of Verse 90 of Surah Al-Nahl

Dr. Hafiz Muhammad Arshad Iqbal
Assistant Professor, Department of Quran and Tafseer, Faculty of Arabic & Islamic Studies, AIOU, Islamabad, arshad.iqbal@aiou.edu.pk

Abstract

Being one of the manifestations of Allah's mercy Quranic guidance provide ample content for reformation of society. Likewise, the other contents of the Holy Surah, verse no. 90 of Surah Al-Nahl principally, provides a set of reformation for human society that is significant for all time and also quite relevant to the current situation of human society. Comprising six injunctions, three among them are virtues commanded i.e 'Adl (Justice), Ihsan(excellence), helping to relatives, and three of them are vices forbidden i.e forbidding immorality, bad conduct and rebellion, the verse grants a comprehensive set of guidelines. According to the commentators and exegetes' scholars termed this verse as Jami 'that depict the discourse of Islam. Keeping this holistic place of content of the ayah and its relevance to the contemporary situation of the society in view, its study is being carried out. The study is an endeavor to find out the view of early and recent exegetes and their findings to shed light of the recent requirement for the reformation of the society and reconstruction of these divine contents to the society.

Keywords; Al-Nahl Verse 90, Reformation, Present Society, Application, Analysis

تمہید

اصلاح معاشرہ ایک ایسا عنوان ہے جس کے نام پر دور حاضر میں کتنی جماعتیں، تنظیمیں اور ادارے قائم ہیں جو معاشرے کی اصلاح کی غرض سے کام کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اصلاح معاشرے کے عنوان سے اب تک ہزاروں کی تعداد میں مختلف اداروں اور جامعات میں کانفرنسز، سیمنارز اور مختلف عنوانات سے علمی مقالات، رسائل اور کتب لکھی جاچکی ہیں لیکن اس کے باوجود معاشرہ اصلاح کی

CC BY

بجائے بگاڑ کی طرف بڑھتا جارہا ہے۔ آج کل جب کوئی اصلاح معاشرہ کا نام سنتا ہے تو اصلاح سے پہلے معاشرے میں موجود تمام برائیوں کا نقشہ ذہن میں ابھر آتا ہے جس سے معاشرے میں موجود تمام انسانیت مسائل کا شکار ہے انسان کے علاوہ معاشرے میں موجود زہر آلود برائیوں کی وجہ سے حیوانات بھی متاثر ہوتے جارہے ہیں۔ دنیا کے کسی بھی ملک اور شہر کے احوال دیکھیں وہاں پر اصلاح معاشرہ کے لئے مختلف ناموں سے کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں۔ حکومتی ادارے، سوشل میڈیا، اخبارات بھی اسی مقصد کی تکمیل میں اپنی کوششیں صرف کر رہے ہیں لیکن معاشرہ اچھائی کی بجائے برائی اور فساد کی طرف تیزی سے بڑھتا جارہا ہے۔ سوچنے اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس قدر کوششوں کے باجود اچھائی کی بجائے فساد کی طرف بڑھنے کی کیا وجوہات ہیں اس بارے میں جو تدابیر اختیار کی جارہی ہیں وہ کامیاب کیوں نہیں ہیں؟ معاشرہ چاہے اسلامی ہو یا غیر اسلامی ہو دوسرے الفاظ میں اسلامی یا غیر اسلامی معاشرہ ہو دونوں صورتوں میں فساد و بگاڑ بڑھتا جا رہا ہے۔ ایک مسلمان ہونے کے ناطے قرآن کریم نے صاف اور واضح الفاظ میں بیان فرمادیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کریں گے ہم ان کو ضرور اپنے راستے کی ہدایت کریں گے اور اسی طرح جو لوگ اللہ کے دین کی مدد کریں گے تو اللہ ضرور ان کی مدد فرمائیں گے۔ اللہ کا کلام تو غلط ہو ہی نہیں سکتا اور نہ ہی اللہ اپنے کلام کے خلاف جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آج مسلمان جو اصلاح معاشرہ کے نام سے محنت اور کوشش کر رہا ہے اس میں خامیاں اور کوتاہیاں ہیں جس کی وجہ سے کی جانے والی کوششیں اور محنتیں رنگ نہیں لا رہی ہیں۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ معاشرہ کی اصلاح کے نام سے جو کوششیں ہو رہی ہیں اگر وہ صحیح معنوں میں اسلامی صفات اور خوبیوں سے آراستہ ہو جائیں تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ہماری محنت ضائع ہو جائے اور بجائے اصلاح کے فساد میں اضافہ ہو جائے۔ کیونکہ جب کوئی محنت اور کوشش صفات اور خوبیوں سے آراستہ ہوتی ہے تو اس میں کشش ہوتی ہے اور دوسروں کو اپنی طرف کھینچ کے لاتی ہیں۔ ان صفات میں پہلی اور سب سے اہم صفت اخلاص کا ہونا ہے کہ جو کچھ ہم کر رہے ہوں وہ صرف اللہ کی رضا کے لئے ہو اس سے انسانیت کی اصلاح ہی مقصود ہو تو ایسی محنت اور کوشش میں اللہ تعالی کی مدد اور نصرت شامل ہوگی جس کے مثبت اثرات بھی سامنے آئیں گے۔ اس کے علاوہ اگر ہر انسان غور و فکر کے دریچے کو کھولے اور اپنی گریبان میں جھانک کر دیکھے تو یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ اصلاح معاشرہ کے نام سے جو کوشش ہو رہی ہے اس کے درپردہ مخصوص اغراض و مقاصد پوشیدہ ہیں مزید یہ کہ ہماری محنت اتنے عیوب اور نقائص سے بھری ہوئی ہیں جس کی وجہ سے ہماری اس محنت کو اصلاح معاشرہ کا نام دینا ہی مناسب نہ ہوگا۔ کیونکہ دور حاضر میں ہر بندہ کی اصلاح معاشرہ سے مراد دوسرے کی اصلاح ہوتی ہے ان کو اپنے اندر کی خامیاں اور کوتاہیاں نظر ہی نہیں آتی۔ ہر جگہ دوسروں کی اصلاح کی فکر ہوتی ہے اور دوسروں سے اصلاح کا آغاز کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اصلاح کے لیے ہماری ہر تقریر و تحریر، ہماری ہر نصیحت، ہر کانفرس اور سیمینار دوسروں کے لیے ہوتا ہے، ہر وقت ہماری یہ خواہش ہوتی ہے کہ معاشرے سے تمام برائیوں کا خاتمہ دوسرے کی ذات اور دوسروں کے گھر سے شروع ہو، معاشرے کی تمام برائیوں کے خاتمہ کا آغاز دوسرا کرے اور ہر طرح کی تبدیلی کی ابتداء دوسرا کرے۔ بہت ہی کم لوگ ایسے ہوں گے جو برائیوں کے خاتمے کی ابتداء اپنے آپ اور اپنے خاندان سے کرتے ہوں گے۔ اس لئے جب تک ہم سب سے پہلے اصلاح کی ابتداء اپنی ذات سے نہیں کریں گے، اپنے اخلاق و کردار میں بہتری کی کوشش نہیں کریں گے اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں ہوگا تب تک معاشرے کے افراد کی اصلاح کا کام آسان نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ہمارا معاشرہ اصلاح کی طرف گامزن

ہو سکتا ہے اور نہ ہی ہماری زبان و قلم اور وعظ و تقریر کے اندر تاثیر پیدا ہو سکتی ہے۔ اور یہی بنیادی وجہ کہ ہماری محنتیں رنگ نہیں لاتی اور اصلاح کے نام سے تمام محنتوں اور کوششوں کا نتیجہ صفر ہی رہتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم اصلاح معاشرہ کے لئے جو بھی محنت اور کوشش کریں، قرآن کریم اور انبیاء علیہم السلام کے عملی طور پر اپنائے ہوئے اصولوں کے مطابق کریں۔ تب ہی ہماری محنت رائیگاں نہیں جائے گی۔ اور ہمارہ معاشرہ بگاڑ کی بجائے اصلاح اور پاکیزگی کی طرف جائے گا۔ جو کہ ہر انسان کی خواہش اور ضرورت ہے۔

مقالہ ہذا میں ہم اصلاح معاشرہ کے حوالے سے سورۃ النحل کی آیت نمبر 90 میں بتائے گئے اصولوں کو عصری تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے تفصیل سے بیان کریں گے۔ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر مختلف انداز میں اصلاح معاشرہ کی اہمیت اور ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ لیکن ان تمام امور اور اصولوں پر کسی ایک مقالے اور رسالے میں تفصیلی گفتگو کرنا بہت ہی مشکل ہے لہذا یہاں پر صرف سورۃ النحل کی آیت: اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ وَ اِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی وَ یَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ وَ الۡبَغۡیِ یَعِظُکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ[1] میں بیان کئے گئے اصولوں پر روشنی ڈالی جائے گی۔ اگر آیت کے معنی اور مفہوم میں غور کیا جائے تو یہ آیت مبارکہ ہی اصلاح معاشرہ کے لئے کافی ہے۔ بعض اہل علم نے اس آیت کے بارے میں یہ بھی کہا ہے کہ اگر قرآن کریم کی کوئی اور آیت نہ ہوتی تو یہ آیت ہی پوری انسانیت کی ہدایت کے لئے کافی ہوتی۔ دراصل اس آیت میں جن چھ امور کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس قدر جامع ہیں گویا کہ تمام دین اسلام کو ان ہی میں سمو دیا گیا ہو۔

اس آیت کے حوالے سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ

"یہ آیت خیر اور شر کے تمام امور کے بیان کو جامع ہے"۔[2]

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ طاعات چاہے فرض ہوں یا نوافل ان تمام امور میں صبر کی ضرورت پیش آتی ہے اللہ تعالی نے (اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ وَ اِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی) میں اس کو جمع کیا ہے۔ کیونکہ انصاف کرنا فرض ہے، احسان کرنا نفل ہے اور رشتہ داروں کو دینا صلہ رحمی ہے اس لئے یہ تمام صبر کے محتاج ہیں۔ آیت کا دوسرا حصہ مختلف گناہوں پر مشتمل ہے جس میں صبر کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ بھی صبر کے محتاج ہوتے ہیں ان امور کو(وَ یَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ وَ الۡبَغۡیِ) میں جمع کر دیا۔[3]

اس لئے اگر مذکورہ امور پر عمل کیا جائے تو کسی بھی معاشرے کی معاشرتی، اخلاقی اور معاشی حالات بہتر اور پاکیزہ ہو سکتے ہیں۔ ان امور پر کلام کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ اس آیت کا معنی اور پس منظر بیان کیا جائے تا کہ مذکورہ آیت مبارکہ میں بیان کردہ معروف و منکر امور کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

آیت کا شان نزول

اس آیت کے شان نزول کے حوالے سے علامہ ابن کثیرؒ نے مسند احمد بن حنبل[4] کے حوالے سے ایک طویل روایت نقل کی ہے ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "کہ ایک روز آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں اپنے گھر کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں وہاں سے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ تیزی سے گزر رہے تھے کہ آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ کیا آپ ہمارے پاس بیٹھیں گے نہیں؟ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں اس طرح وہ پاس بیٹھ گئے۔ دونوں آپس میں باہمی گفتگو کر رہے تھے کہ اسی اثناء میں آپ ﷺ کی نظر آسمان

کی طرف اُٹھی اور آپ ﷺ نے تھوڑی دیر کے لئے اوپر دیکھا پھر اپنی نگاہیں آہستہ سے نیچے کرنے لگے یہاں تک کہ اپنی نگاہیں زمین پر اپنی دائیں طرف مرکوز کرلیں۔ اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے منہ پھیر کر دوسری طرف متوجہ ہوکر اپنا سر جھکالیا آپ کے انداز سے ایسا محسوس ہورہا تھا کہ آپ کسی کی بات کو سمجھنے کی کوشش کررہے ہیں۔ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ یہ حال دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جب آپ ﷺ اس سے فارغ ہوگئے اور جو کچھ ان سے کہا جارہا تھا ان کو سمجھ گئے اس کے بعد آپ کی نظریں پھر سے آسمان کی طرف چلی گئیں جیسا کہ پہلی بار ہوا تھا۔ آپ ﷺ کی نظریں آسمان کی طرف کسی چیز کا پیچھا کررہی تھیں یہاں تک کہ وہ آسمان میں غائب ہوگیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ تو اس نے کہا کہ میں آپ کے پاس آکر کیوں بیٹھ جاؤں؟ آج آپ نے جو عمل کیا اس سے پہلے آپ نے اس طرح کا عمل میرے سامنے نہیں کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ نے مجھے کیا عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں نے دیکھا کہ آپ کی نظریں آسمان کی طرف گئیں پھر مجھے چھوڑ کر اپنی نظریں جھکا کر دائیں طرف متوجہ ہوئے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپؐ سے کچھ کہا جارہا ہے، اسے آپؐ سمجھنے کی کوشش کررہے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا واقعی تم نے ایسی چیز محسوس کی ہے؟“ عثمانؓ کہنے لگے: جی ہاں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ابھی ابھی میرے پاس اللہ کا قاصد آیا تھا جبکہ تم میرے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے“، عثمان نے کہا: اللہ کا قاصد؟ فرمایا: ”ہاں!“ عثمانؓ نے پوچھا کہ پھر اس نے آپؐ سے کیا کہا؟ فرمایا: ”بیشک اللہ عدل و احسان اور قریبی رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، ناپسندیدہ اور سرکشی کے کاموں سے روکتا ہے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو“۔ عثمانؓ کہتے ہیں کہ اسی وقت سے میرے دل میں اسلام نے جگہ بنانی شروع کردی اور مجھے محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت ہوگئی)۔ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ اس روایت کی سند جید حسن اور متصل ہے۔[5]

علامہ ابن کثیرؒ نے اسی آیت کے ذیل میں اکثم بن صفی جو اپنے قبیلے کے سردار تھے اسی آیت کی وجہ سے ہی اسلام میں داخل ہونے کو بیان کیا ہے۔ ابن کثیرؒ نے اکثم بن صفی کا واقعہ حافظ ابویعلی کی کتاب "معرفۃ الصحابہ" سے نقل کیا ہے جہاں پر اس واقعہ کو سند کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔[6]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ نحل کی یہ آیت حضرت عثمان بن مظعون عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنی۔ صاحب تفسیر مدارک نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ

”اس آیت نے میرے دل میں ایمان کو جگہ دی اور اسلام میں داخل ہوا۔ صرف یہ نہیں اس آیت کے سننے کے بعد ولید بن مغیرہ اور ابوجہل جیسے اسلام مخالف کفار بھی اس آیت کی تعریف کرنے پر مجبور ہوگئے۔ یہ آیت اپنی جامعیت اور حسن بیان ہی کی بناء پر نماز جمعہ میں خطبے کے آخر میں پڑھی جاتی ہے“۔[7]

آیت کا معنی اور مفہوم

سورۃ النحل کی اس آیت کے بارے میں کئی اہل علم یہ کہہ چکے ہیں اگر قرآن کی کوئی اور آیت نہ بھی ہوتی تو یہی ایک آیت ہی انسانیت کی ہدایت کے لئے کافی اور جامع ہوتی۔ اس آیت کے بارے میں اگر غور کیا جائے تو پھر یہ اہل علم کی بات سو فیصد درست نظر آتی ہے کیونکہ اس آیت مبارکہ میں تین معروف امور (عدل، احسان اور صلہ رحمی) کے اختیار کرنے اور تین منکر امور (بے حیاءئی، برائی اور

سرکشی) سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے گویا یہ تمام امور ایک حد تک پورے دین کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں۔ علامہ غلام رسول سعیدیؒ اپنی تفسیر میں امام رازیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "انہوں نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں 4 قوتیں رکھی ہیں"۔[8] جو کہ درج ذیل ہیں

1۔ قوت غضبیہ: اس قوت کی وجہ سے انسان سے درندوں والے آثار رونما ہوتے ہیں یعنی درندوں کے اندر غضبیت انتہا درجے کی ہوتی ہے۔ اس لئے انسان غصے میں آکر کسی کو ناحق قتل کر دیتا ہے یا کسی کا ناحق مال چھین لیتا ہے یا پھر کسی اور ناحق طریقے سے دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔

2۔ قوت شہوانیہ: اس قوت سے جانوروں کے سے آثار رونما ہوتے ہیں، مطلب یہ کہ اگر اس پر قابو نہ پایا جائے تو انسان بھی جانوروں کی طرح اپنی شہوت کو بے محل پورا کرنے میں جانوروں سے پیچھے نہیں ہو گا۔

3۔ قوت عقلیہ: اس قوت سے انسان کے اندر فرشتوں کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر انسان عقل کا صحیح استعمال کرے تو اس کے اندر فرشتوں جیسی صفات آجاتی ہیں۔

4۔ قوت وہمیہ: اس قوت سے شیطانی اثرات اور افعال ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ سے انسان کسی عہدے کے حصول میں جائز و ناجائز کی پرواہ کیے بغیر اس کو حاصل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو بغاوت اور سرکشی سے منع فرمایا ہے اس کا یہی محمل ہے کہ انسان اپنے لیے بڑائی حاصل کرنے کی خاطر جائز اور ناجائز طریقہ استعمال کرتا ہے اور کبھی کبھی یہ کوشش قتل وغارت گری تک بھی پہنچا دیتی ہے۔

علامہ سعیدیؒ فرماتے ہیں کہ "ان قوتوں میں قوت عقلیہ کی اصلاح کی ضرورت نہ تھی البتہ باقی تین کی اصلاح کی اشد ضرورت ہے اس لئے اس آیت میں ان ضرورتوں کو پورا کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ اگر شہوانی قوت کو بے لگام چھوڑ دیا جائے جیسے جانور بے لگام ہوتے ہیں تو انسان بھی اپنی لذت اور خواہش کو پورا کرنے میں جائز اور ناجائز کی پرواہ نہیں کرے گا اس لئے اس قوت کو صحیح جگہ استعمال کرنے اور غلط جگہ سے روکنے کے لئے لفظ(الفحشاء)ارشاد فرمایا۔[9]

اس آیت کے بارے میں علامہ سیوطیؒ ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عامرؒ نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ مسروق بن الاجدع اور شتیر بن شکل محو گفتگو تھے کہ ان میں سے ایک نے دوسرے سے خیر اور شر سے متعلق جامع آیت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا وہ آیت سورۃ النحل کی ہے("اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ")۔ امام سیوطیؒ کہتے ہیں کہ اس روایت کو امام بخاریؒ نے الادب المفرد، حافظ ابن جریرؒ نے الطبری، ابن ابی حاتم اور اسی طرح بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔[10]

آیت میں کرنے والے تین اعمال

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تین کام کرنے کا حکم دیا ہے اور تین کام کرنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ امور جن کا حکم دیا گیا ہے اس میں سب پہلے عدل یعنی انصاف کا حکم دیا ہے۔

1-عدل کے معنی: عدل کے لغوی معنی میں لفظی اعتبار سے فرق ضرور ہے لیکن سب کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی برابری، مساوات

اور انصاف قائم کرنا۔

لسان العرب میں لکھا ہے کہ لفظ عدل اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے مطلب یہ کہ وہ خواہشات کی طرف مائل نہیں ہوتا، اس کے علاوہ عدل کے معنی ہیں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا۔[11]

عبد الحفیظ صدیقی نے امام جرجانیؒ کے نزدیک عدل کے معنی افراط و تفریط کے مابین درمیانی کام کے ہونے کو بیان کیا ہے۔[12]
عدل کے مختلف معنی بیان کیے گئے ہیں ان میں سے ایک یکساں ہونے کے بھی ہیں جیسا کہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر 95 میں بیان ہوا ہے۔
عرض یہ کہ اہل لغت نے مختلف معانی بیان کئے ہیں لیکن یہ سب الفاظ معنی کے لحاظ سے قریب ہیں۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"العدل فهو عبارة عن الأمر المتوسط بين طرفي الإفراط والتفريط، وذلك أمر واجب الرعاية في جميع الأشياء"[13]

اس آیت مبارکہ میں سب سے پہلے عدل و انصاف قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی معاشرے میں اخلاقی اور معاشرتی پہلو سے استحکام اور امن و امان پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہاں پر تمام تر فیصلے انصاف کے ساتھ ہوں کیونکہ عدل و انصاف کے بغیر معاشرہ منکرات، جرائم اور لغویات سے پاک نہیں ہو سکتا ہے۔ دین اسلام کی دیگر خوبیوں میں سے ایک خوبی جرائم کی روک تھام کے لئے مناسب اور ضروری سزاؤں کا قیام بھی ہے جس سے معاشرے میں حقیقی امن قائم ہو سکتا ہے۔ اگر شرعی سزاؤں کا نفاذ یقینی بنایا جائے تو معاشرہ جرائم اور برائیوں سے پاک بھی ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم کی بہت ساری آیات اور اسی طرح بہت سارے احادیث میں بھی عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ اس کائنات کا پورا نظام عدل کی وجہ سے ہی قائم ہے۔ نظام شمسی، ستارے، سیارے، دن رات موسموں کا تغیر و تبدل غرضیکہ سب کچھ نظام عدل ہی کی وجہ سے قائم ہے۔ اور جونہی یہ سارا نظام عدل کے دائرے سے باہر آئے گا تو تمام نظام ہستی درہم برہم ہو جائے گا اور اسی کا نام قیامت ہے۔

دور حاضر میں مسلم معاشروں میں جرائم کے بڑھنے کی دیگر وجوہات میں سے ایک اہم وجہ قانون کے نفاذ میں بے انصافی اور لاپرواہی کا ہونا ہے۔ آج معاشرے میں امیر کے لئے ایک قانون اور غریب کے لئے دوسرا قانون ہوتا ہے امیر باجود جرائم کے ارتکاب کے آزاد پھیرتا ہے جبکہ غریب معمولی سے جرم کی بناء پر بھی دربدر کی ٹھوکریں کھارہا ہوتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالی نے معاشرتی نظام میں عدل و انصاف کو جو اہمیت دی ہے وہ اس آیت سے بخوبی سمجھی جاسکتی ہے۔ (بے شک ہم نے رسولوں کو واضح نشانیاں دے کر مبعوث فرمایا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو بھی نازل کیا ہے تاکہ لوگ انصاف قائم کریں)[14]۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں تمام انبیاء کی بعثت کا بنیادی مقصد اور غایت زمین پر عدل و انصاف کو قائم کرنا ہے۔ پیغمبروں کو دی جانے والی شریعت، کتابیں اور میزان اس لیے تھیں کہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ عدل و انصاف کرنے کے قابل بنایا جاسکے۔ ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا: (اور ہر اُمت کے لیے ایک رسول بھیجا گیا ہے۔ پھر جب اُن کا رسول آتا ہے تو اُن کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اور اُن پر کوئی ظلم روا نہیں رکھا جاتا)[15]۔ اس قدر اہمیت کے باجود آج اکثر مسلم ممالک اور معاشرے عدل و انصاف جیسے امور سے خالی نظر آتے ہیں جس کا وبال پھر جرائم

اور فساد کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ جس کا ہم روز مشاہدہ کر رہے ہوتے ہیں۔

2-احسان کا مفہوم اور عصری تطبیق

احسان کے لغوی معنی عمدہ اور خوبصورت ہونا ہے۔ امام راغبؒ احسان کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے مراد ایسا حسین و جمیل ہونا جو ہر پہلو سے پسندیدہ اور عمدہ ہو اس طور پر کہ عقل کے معیار پر بھی پورا اترتا ہو، قلبی چاہت اور رغبت کے لحاظ سے بھی دل میں سمو جانا اچھا لگتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ حسی اعتبار سے یعنی دیکھنے اور سننے کے لحاظ سے بھی عمدہ اور پر کشش ہو[16]۔ اس لئے احسان ایسے عمل کو کہا جاتا ہے جس کے ظاہر و باطن دونوں پہلوؤں سے حسن ہی حسن ہو اس میں کسی قسم کی ناپسندیدگی اور کراہت کا امکان نہ ہو۔ ایسے عمل کو احسان کہا جاتا ہے اور قرآن کریم میں اس عمل کے لئے تزکیہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کی عملی مشق اہل تصوف حضرات ہی کراتے ہیں۔

احسان کے ایک معنی کسی کے ساتھ بھلائی کرنے کے بھی ہیں جس کا ذکر سورۃ القصص میں قارون کے واقعے میں کیا گیا ہے کہ لوگوں نے ان سے کہا تھا: (وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ)[17]

"اور تم بھی لوگوں کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کرو جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ اچھائی کی ہے"۔

ایک اور روایت میں احسان کے معنی کسی چیز کو حسین بنانے اور اس میں خوبصورتی پیدا کرنے کے بھی ہے۔ جیسا کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ کی روایت میں ہے جس کو امام نوویؒ نے اربعین میں نقل فرمایا ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ ، فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ ، وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذَّبْحَةَ،"[18]

(بے شک اللہ نے احسان کو (خوبصورتی اور حسن سلوک کو) ہر چیز کے بارے میں لازمی قرار دیا ہے پس اگر کسی کو قتل بھی کرنا ہو تب بھی خوبصورتی کے ساتھ قتل کرنا چاہئے اور اسی طرح ذبح میں خوبصورتی اختیار کرنی چاہئے)۔

حدیث جبرائیلؑ میں جن سوالات کا ذکر موجود ہے اس میں تیسرے نمبر پر احسان کے بارے میں سوال کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا: "احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو نہیں دیکھ رہا تو (دل میں کم از کم یہ یقین ہی پیدا کرلے کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے"[19]۔

مذکورہ بالا آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو عمل بھی کرنا ہو اس میں شائستگی اور خوبصورتی کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے لیکن افسوس یہ ہے کہ آج ہم کسی کے ساتھ اچھائی بھی کرتے ہیں تو بھی ان پر اپنا احسان جتلاتے ہیں۔ اس لئے آج معاشرے میں بھلائی اور اچھے کام کرنے والوں کی تعداد میں کمی نظر آتی ہے حالانکہ احسان کرنے والے شخص کا شمار اللہ کے پسندیدہ اور محبوب بندوں میں ہوتا ہے۔ احسان ایمان ویقین کی انتہاء، اطاعت کا سب سے اونچا مقام ہے۔ یہ عظمت کی دلیل اور فضیلت کا اعتراف ہے۔ کوئی انسان ایسا نہیں جس کی زندگی اور حرکات و سکنات آپ ﷺ کی طرح احسان سے بھرپور ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کے سامنے عجز و انکساری میں احسان سے کام لیا تو اللہ نے آپ ﷺ کو اپنا قرب عطا کرکے اپنا محبوب ترین بندہ بنالیا۔ لوگوں کے دل جیتنے کیلئے ان سے احسان والا معاملہ کیا تو وہ آپؐ کی محبت کے اسیر ہوگئے۔ نفوس کے ساتھ احسان کیا تو وہ آپ ﷺ کے شوقِ دیدار سے بے تاب ہوگئے اور

روحوں کے ساتھ احسان کیا تو وہ آپؐ کی محبت و اتباع کے جذبے سے سرشار ہو گئیں۔

3-رشتہ داروں سے حسن سلوک اور دور حاضر

قرآن و حدیث میں رشتہ داروں سے حسن سلوک کے بارے میں بہت سے فضائل اور ان پر ملنے والی نعمتوں کا ذکر بار بار کیا گیا ہے۔ رشتہ داروں سے تعلق بنا کے رکھنا، ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا، مالی اور جسمانی اعتبار سے ان کی معاونت کرنا، علالت، فوتید گی اور خوشی میں ان کے ہاں جانا اور ان کی خبر گیری لیتے رہنا، ان کے ساتھ ہر حال میں اچھے تعلقات قائم رکھنا اور ان کے ساتھ خیر خواہی والا جذبہ رکھنا خلاصتہ یہ ہے کہ زندگی کے ہر موڑ اور ہر لمحے میں ان سے تعلق قائم رکھنا ہی حقیقی معنوں میں صلہ رحمی ہے۔ احادیث مبارکہ میں صلہ رحمی کے بہت سارے فضائل بیان ہوئے ہیں ان سب کا احاطہ کرنا مشکل ہے ہم یہاں پر چند فضائل کے بیان کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

ایک روایت میں آتا ہے جس کو امام حاکمؒ نے مستدرک حاکم میں نقل کیا ہے:

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ " تین صفات ایسی ہیں کہ وہ جس بندے میں بھی ہوں اللہ تعالی اس سے آسان حساب لے گا اور اسے اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائے گا۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کن (صفات والوں)کو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو تجھے محروم کرے تو اسے عطا کر، جو تُجھ پر ظلم کرے تو اسے معاف کر، اور جو تجھ سے (رشتہ داری اور تعلق) توڑے تو اس سے جوڑ۔ ایک صحابی نے پوچھا: یارسول اللہ! اگر میں یہ کام کر لوں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تجھ سے حساب آسان لیا جائے گا اور تجھے اللہ تعالی اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمادے گا۔[20]

مشکوۃ کی ایک روایت ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: ''جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت و فراخی اور اس کی موت میں تاخیر کی جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرے''[21]۔

اس کے ساتھ اگر رشتہ داری کو توڑنے والے کے بارے میں جو وعیدیں اور سزا کا ذکر ہوا ہے اس سے بھی بات ثابت ہوتی ہے کہ دین اسلام میں صلہ رحمی کو کتنی اہمیت اور مقام حاصل ہے چنانچہ مشکوۃ المصابیح کی ایک روایت میں جبیر بن مطعمؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہو گا''۔ ایک اور روایت میں آتا ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی گناہ اس بات کے زیادہ لائق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ارتکاب کرنے والے کو دنیا میں بھی اس کی سزا دے اور (مرتکب کو) آخرت میں بھی دینے کے لیے (اس سزا) کو اٹھا رکھے، ہاں دو گناہ اس بات کے لائق ہیں: ایک تو بغاوت اور سرکشی کرنا اور دوسرا رشتہ داری کو منقطع کرنا''۔[22] دور حاضر میں ہر بندہ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے کہ میں رشتہ داری کے معاملے میں کس مقام پر کھڑا ہو؟ کیا میں رشتہ داری سے متعلق بیان کیے گئے فضائل کا حقدار ہوں اور اس پر پورا اترتا ہوں اور اسی طرح توڑنے کے حوالے سے جو وعیدیں بیان ہوئی ہیں ان سے میں کس حد تک محفوظ ہوں۔ یہ بہت ہی آسان عمل ہے صرف اپنے نفس اور اعمال کا محاسبہ کرنا ہے پھر اندازہ ہو جاتا ہے اگر فضائل کا حقدار ہے تو اللہ کا شکر ادا کریں اور اس میں مزید بہتری کی کوشش کرے اور اگر نہیں تو وعیدوں کو سامنے رکھ کر ان سے بچنے کی بھرپور کوشش کرے اور اللہ سے عمل کرنے کی دعا بھی کرتا رہے۔

آیت مبارکہ میں تین نہ کرنے والے اعمال

1-فحشاء یعنی بے حیاءئی اور بدکاری: اس آیت مبارکہ میں جن تین امور سے منع کیا گیا ہے ان میں سب سے پہلے "فحشاء" یعنی بے حیاءئی اور بدکاری کا ذکر ہے۔ فحشاء ہر ایسے برے فعل یا قول کو کہا جاتا ہے جس کی برائی کھلی ہوئی ہو اور واضح ہو ہر شخص اس کو برا سمجھے۔ معاشرے کی بربادی اور تباہی والے برے اعمال میں سے بدکاری، زنا، بہتان اور شراب نوشی جیسے گناہ کے کام سر فہرست ہیں۔ دراصل اگر ان معاشرتی جرائم پر قابو پایا جائے تو معاشرے میں خامیوں کی بجائے صفات اور خوبیاں ہی نظر آئیں گی۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی سابقہ امتوں کو ہلاک کرنے کی وجوہات بھی یہی بدکاری اور فحاشی تھی۔ کیونکہ بے حیاءئی، بے پردگی اور آوارگی ہمیشہ سے نسلوں کی تباہی کا موجب بنتی آرہی ہیں۔ دین اسلام میں معاشرے کو پاکیزہ رکھنے کے لئے جس طرح عورتوں کو گھریلو ذمہ داریاں دی گئی ہیں اور اسی طرح مرد کو گھر کے باہر کی ذمہ داریاں تفویض کی گئی ہیں اس سے مقصود مرد اور عورت کو باہمی اختلاط سے روکنا ہے تاکہ ایک پاکیزہ اور صاف ستھرا معاشرہ قائم ہو سکے۔ اس لئے ہر انسان کے اندر حیاء کا ہونا لازمی ہے اگر حیاء ہی نہ ہو تو پھر انسان میں درندوں والی صفات رونما ہوتی ہیں۔ ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: "گزشتہ کلام نبوت میں سے جو باتیں لوگوں کو ملی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب تم میں حیاء نہ ہو تو جو چاہے کرو"۔[23] گویا یہاں امر بمعنی خبر ہے یعنی "جو چاہے کر" سے مراد یہ ہے کہ جب آدمی حیاء نہ کرے تو جو چاہے کرتا پھرے کسی گندے سے گندے کام سے بھی اسے حجاب نہیں ہوتا۔ حیاء دراصل انسان کو ہر برائی کے کام سے روکنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے اس لئے اگر کسی میں حیاء نہ ہو تو اس انسان سے ہر بُرے سے بُرا کام کرنے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ حیاء جیسی چیز کو گہرائی میں اتر کر دیکھا جائے تو حیاء بے حیاءئی کی ضد ہے حیاء انسانیت سکھاتی ہے جبکہ بے حیاءئی انسان کو حیوانیت کی طرف لے جاتی ہے اور آہستہ آہستہ اچھا خاصہ انسان انسان نما حیوان ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی انسانیت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے: "کہ ایسی عورتیں کثرت سے ہوں گی جو بہ ظاہر لباس میں ہوں گی مگر لباس اتنا باریک ہو گا اور اس سے جسمانی خدوخال اس درجہ نمایاں ہوں گے کہ درحقیقت وہ برہنہ ہوں گی، وہ خود مردوں کی طرف مائل ہوں گی اور مردوں کو اپنی طرف مائل کریں گی، ایسی عورتیں جنت کی خوشبو سے بھی مرحوم کر دی جائیں گی"۔[24]

ایک اسلامی معاشرے میں تو عورت کیلئے آزادی کی آخری حد یہ ہے کہ ضرورت کی حد تک اپنا ہاتھ منہ کھول سکتی ہے اور اپنی ضروریات و کام کاج کے لئے گھر سے باہر نکل سکتی ہے، مگر آج کا مسلمان آخری حد کو نقطۂ آغاز بناتے ہیں جہاں پہنچ کر اسلام رک جاتا ہے وہاں سے یہ چلنا شروع کرتے ہیں اور یہاں تک بڑھ جاتے ہیں کہ حیاء اور شرم بالائے طاق رکھ دی جاتی ہے۔ ہاتھ اور منہ ہی نہیں بلکہ خوبصورت مانگ نکلے ہوئے سر، اور شانوں تک کھلی ہوئی باہیں اور نیم عریاں سینے بھی نگاہوں کے سامنے پیش کر دیئے جاتے ہیں، اور جسم کے باقی ماندہ محاسن کو بھی ایسے باریک کپڑوں میں ملفوف کیا جاتا ہے کہ وہ ہر چیز ان میں سے نظر آسکے جو مردوں کی شہوانی پیاس کو تسکین دے سکتی ہو۔

2-منکر اعمال: اس سے مراد وہ اعمال اور امور ہوتے ہیں جن کو عقل سلیم اور سلیم الفطرت انسان بُرا سمجھے اور اس سے بچنے کی کوشش کرے۔ جیسے جھوٹ، اتہام، چوری، رہزنی وغیرہ"۔ کسی بھی دینی اور پر امن معاشرے کے قیام میں رکاوٹ بننے والے امور اور

اعمال سے ایک منکرات بھی ہیں جس کی وجہ سے معاشرہ مسائل اور جرائم کا شکار ہوتا ہے۔ منکر اعمال ہماری روزمرہ کی زندگی میں رونما ہوتے رہتے ہیں جس کا ہر شخص مشاہدہ کرتا ہے اس لئے ایسے اعمال سے بھی روکنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے۔:"جو شخص تم میں سے کسی منکر ناجائز کام کو اپنے سامنے ہوتا ہوا دیکھے تو چاہئے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے (یعنی بزور طاقت برے کام کو روک دے)، پس اگر اتنی طاقت نہ رکھے تو زبان سے منع کرے۔ اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو (بلکہ زبان سے روکنے میں فتنے کا بھی اندیشہ ہو تو پھر) اپنے دل سے (اس کو برا جانے) اور یہ کمزور ایمان ہے۔ یعنی ایمان کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ بری بات کو صرف دل سے برا جانتا رہے اور اگر دل سے بھی اس کو برا نہ سمجھا تو پھر ایمان کہاں رہا؟[25] ایک اور روایت میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی قوم میں ہو اور وہاں گناہ کے کام ہو رہے ہوں وہ گناہ کرنے والوں کو گناہ سے روکنے کی طاقت رکھتا ہو، (پھر بھی) نہ روکے تو اللہ تعالیٰ (گناہ سے روکنے میں غفلت کرنے والوں کو) مرنے سے پہلے عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے معاشروں میں اپنی استطاعت کی حد تک برائی سے روکنے کی کوشش کریں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس خیر خواہی کی وجہ سے فساد برپا ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ اگر ہم ایک دوسرے کو گناہوں اور برائی کے کاموں سے نہیں روکیں گے تو پھر ہم بھی بنی اسرائیل کی طرح ہو جائیں گے کہ وہ لوگ بھی ایک دوسرے کو برے کاموں سے نہیں روکتے تھے۔ آپ ﷺ نے بھی متعدد احادیث میں یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ معاشرے میں منکرات کے ارتکاب پر باہمی روک ٹوک کا باقی رہنا ضروری ہے، ورنہ پورا معاشرہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت اور عذاب کا مستحق قرار پاتا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے جس فریضہ کا قرآن مجید نے بار بار تذکرہ کیا ہے، وہ معاشرہ میں نیکی کے فروغ اور برائی کی روک تھام کی یہی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ جس سے ہم غافل ہیں اور معاشرے میں جرائم کے بڑھنے کے واقعات کی ذمہ داری صرف ریاست پر ہی ڈالتے ہیں۔

3-تیسری چیز بغی: بغی کے معنی حد سے تجاوز کرنا، ظلم کرنا اور زیادتی کرنا اور دوسروں کے حقوق سلب کرنا وغیرہ ہیں۔ علامہ حصکفیؒ نے عرف کے لحاظ سے اس کے معنی ناجائز ظلم و ستم کے کیے ہیں۔[26] اگرچہ لفظ منکر کے مفہوم میں فحشاء بھی داخل ہے اور بغی بھی، لیکن فحشاء کو اس کی انتہائی برائی اور شناخت کی وجہ سے علیحدہ کر کے بیان فرمایا اور مقدم رکھا اور بغی کو الگ اور علیحدہ اس لیے بیان کیا کہ اسکا اثر دوسروں تک متعدی ہوتا ہے، اور بسا اوقات یا اکثر اوقات یہ تعدی باہمی جنگ وجدل تک یا اس سے بھی آگے عالمی فساد تک پہونچ جاتی ہے۔ دراصل جب کوئی انسان بغاوت اور سرکشی کی طرف گامزن ہو جاتا ہے تو وہ معاشرے میں زیادتی، بدامنی اور ظلم و ستم کا ارتکاب کرنے لگ جاتا ہے جس کی وجہ سے معاشرہ میں امن امان کی صورحال قائم نہیں رہتی۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں: "فحشاء" کھلی ہوئی بے حیاءئی اور بدکاری کو کہتے ہیں، مثلا زنا لواطت اور اس قبیل کی دوسری برائیاں منکر معروف کا ضد ہے معروف ان اچھی باتوں کو کہتے ہیں جن کا ہر اچھی سوسائٹی میں چلن ہو، مثلا مہمان داری، مسافر نوازی اور اس قبیل کی دوسری نیکیاں، منکر اس کی ضد ہے تو اس سے مراد وہ باتیں ہو گی جو معروف اور عقل و عرف کے پسندیدہ طریقہ اور آداب کے خلاف ہوں اور بغی کے معنی سرکشی اور تعدی کے ہیں یعنی آدمی اپنی قوت وطاقت اور اپنے زور واثر سے ناجائز فائدہ اٹھائے اور اس سے دوسروں کو دبانے کی کوشش کرے۔[27]

خلاصہ کلام

معاشرہ، انسانوں کا کسی مقام پر مل جل کر رہنے کا نام ہے جہاں پر وہ اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے نہ صرف ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں بلکہ ایک دوسرے کے محتاج بھی ہوتے ہیں۔ ایک ہی معاشرے میں رہنے والے لوگ عمومی طور پر عقائد و نظریات، عادات و آداب اور مقاصد زندگی میں یکساں اہداف کے حامل ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا میں اس وقت مختلف انواع و اقسام کے لاکھوں کی تعداد میں معاشرے موجود ہیں جو بہت ساری چیزوں میں ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے باجود بعض امور میں بعض پہلوؤں سے یکساں نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالی نے انسان کی تخلیق کے بعد اس کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے ہر زمانے اور ہر قبیلے اور معاشروں میں اپنی برگزیدہ انبیاء کرام مبعوث فرمائے تاکہ وہ انسانوں کو اپنے خالق کی طرف بلائے۔ تمام انبیاء کرام نے اپنی امتوں کی اخلاقی، معاشی، فکری اور معاشرتی پہلوؤں سے راہنمائی کی ہے۔ قرآن کریم میں بھی معاشرہ کے اجتماعی مسائل و احکام کو مختلف سورتوں میں بیان کیا ہے۔ قرآن کریم کی نظر میں کسی بھی معاشرے کی انسانوں میں اتحاد اور اتفاق کا اہم ترین نقطہ وہ ایمان اور عقیدہ کے لحاظ سے تمام افراد کا یکساں ہونا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر اسباب بھی بیان کئے ہیں جیسا کہ سورۃ نحل کی آیت میں تین بنیادی امور کے کرنے اور تین امور سے منع فرمایا ہے۔ اگر اسی آیت کے متعلق گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو یہی آیت ہی انسانی معاشرہ کی فلاح و بہبود کے لئے کافی اور جامع قرار دی جاسکتی ہے۔ کیونکہ معاشروں میں افراتفری، بے چینی اور بداعتمادی جیسے برے اعمال کی ابتداء ہی بے انصافی سے ہوتی ہے کہ حق دار سے ان کا حق چھین کر غیر حقدار کو دیا جاتا ہے۔ اس لئے اگر کسی معاشرے کے افراد یہ چاہتے ہیں کہ وہاں کے بسنے والے لوگ ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر شخص سورۃ النحل کی آیت میں بیان کیے گئے اصولوں پر عمل کرے۔ کیونکہ معاشروں کے قیام سے ہی انسانی زندگی کی بقاء ہے۔ اس لیے اگر ایک انسان اپنی ضروریات کی تمام چیزیں بنانے کی کوشش کرے تو وہ ناکام رہے گا۔ باہمی عمل، تعاون، باہمی سعی کے ذریعے ہی بڑے پیمانے پر پیداوار ممکن ہے۔ اور اشتراکِ عمل تب ہی ممکن ہے جب معاشرہ موجود ہو۔ اسی طرح انسان کی شخصیت کی نشوونما کے لئے بھی معاشرہ ضروری ہے۔ ہر انسان کے اندر کچھ صلاحیتیں ہوتی ہیں جن کی توسیع اور ترقی کے لئے مناسب ماحول معاشرہ ہی فراہم کرتا ہے۔ ہماری ذہنی، اور جسمانی صلاحیتوں میں ترقی معاشرے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ لہذا ہر انسان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ معاشرے کی بقاء اور اصلاح کے لئے اپنی استطاعت کی حد تک کوشش کرے اور معاشرے کو ہر قسم کے جرائم سے پاک کرنے میں اپنا حقیقی کردار ادا کرنے کی جدوجہد و سعی جاری رکھے۔

المصادر والمراجع

---

[1]۔ سورۃ نحل،90:16۔

[2] ۔ شعب الایمان، فصل فی فضائل السور والآیات، ذکر الآیة الجامعة للخیر والشرّ فی سورة النحل، آیت، 90، حدیث رقم، 2440۔

[3] ۔ احیاء العلوم، امام غزالیؒ، کتاب الصبر والشکر، جلد4، صفحہ 87۔

[4]۔ مسند احمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن عباس، رقم حدیث،2919۔

[5] ۔ تفسیر ابن کثیر، حافظ عماد الدین ابن کثیر، در تفسیر سورۃ النحل آیت نمبر 90۔

[6]۔ ایضا

[7]۔ تفسیر مدارک، محمد بن محمود النسفیؒ، در تفسیر سورۃ النحل، آیت نمبر 90۔

[8]۔ تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدی، در تفسیر سورۃ النحل آیت،90۔

[9] ۔ تبیان القرآن، تفسیر سورۃ النحل آیت،90۔

[10]۔ الدر المنثور، جلد،4، صفحہ،241۔

[11]۔ لسان العرب، ابن منظور، 3021۔

[12]۔ صدیقی، محمد عبد الحفیظ، برصغیر پاک وہند میں اسلامی نظام عدل (ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد) ص9

[13]۔ تفسیر مفاتیح الغیب، امام رازیؒ، تفسیر سورۃ نحل۔ آیت،90۔

[14]۔ سورہ الحدید، آیت،25۔

[15]۔ سورۃ یونس، آیت،47۔

[16]۔ مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی، صفحہ،119۔

[17]۔ سورۃ القصص، آیت،77۔

[18]۔ الاربعین، امام نوویؒ، حدیث 17۔

[19] صحیح البخاری، کتاب الایمان، رقم حدیث،50۔

[20]۔ مستدرک حاکم، حدیث،3912۔

[21] ۔ مشکوۃ المصابیح، حدیث رقم،419۔

[22]۔ مشکوۃ المصابیح، حدیث رقم،420۔

[23]۔ سنن ابن ماجہ، حدیث،4183۔

[24] ۔ صحیح مسلم، حدیث رقم،3941۔

[25] ۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث رقم،177۔

[26]۔ الدر المختار، علامہ حصکفی، جلد،4، صفحہ،261۔

[27]۔ تدبر قرآن، تفسیر سورۃ النحل۔